ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

سجاد ظہیر کے ناولٹ "لندن کی ایک رات" کا مابعد نو آبادیاتی جائزہ

A POST-COLONIAL REVIEW OF SAJJAD ZAHEER'S NOVELETTE "LONDON KI EK RAAT"

*جاویز خان
ریسرچ سکالر پی ایچ ڈی شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ
**احتشام الحق
شعبہ اردو یونیورسٹی آف صوابی
***صدیق
شعبہ اردو یونیورسٹی آف صوابی

ABSTRACT

"London ki Ek Raat" is a famous novel by Sajjad Zaheer. In this novel, he has thoroughly reviewed the poor patriotism of the people of India. In this novel, the elements of post-colonialism have been reviewed. Creation relates differently to a creator. I think it is not fair to deny the author. The characters contribute according to the author's intention and move the story till the end. The feelings and emotions of the audience and viewers come out as the feelings and emotions of the characters and the pain and difficulty of the character becomes the difficulty of the reader and he feels sympathy for him. Even in "London Ki Ek Raat" where five, six stories are going on simultaneously. The purpose of Sajjad Zaheer himself to write this novelette is a different story, as every writer has a specific mindset. In the same way, those goals also enter into the creation even if the creator does not want it, and their reflections can be mixed up. Sajjad Zaheer has also given the most suitable role to the characters in the background and foreground of the world and the subcontinent in "London Ki Ek Raat"

Key Words: *Sajjad Zaheer , "London Ki Ek Raat" , author's intention , feelings and emotions , Novelette , simultaneously , specific mindset , background and foreground*

نو آبادیاتی اور مابعد نو آبادیاتی موضوعات ایسے ہیں جو دیگر موضوعات پر اثر انداز نسبتاً زیادہ ہوتے ہیں۔ یہ موضوع دیگر موضوعات کی نوعیت متعین کرنے میں بھی مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔ ایک وقت ایسا تھا کہ برطانوی نو آبادیات کا پھیلاؤ اتنا وسیع تھا کہ اس پر سورج غروب نہیں ہو تا تھا۔ مابعد نو آبادیاتی اثرات کی ذیل میں دیکھا جائے تو ابھی بھی پاکستان کی حد تک سورج کی وہی چمک دمک ہے۔ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جابجابر طانوی کالونیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ اتنے وسیع خطے پر تسلط قائم رکھنے کے لیے برطانیہ کو کوئی غیر معمولی فوج نہیں بھرتی کرنا پڑی یا کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھانا پڑا۔ کروڑوں انسانوں پر حکومت کے لیے چند ہزار انگریز کافی رہے۔ غیر معمولی فوج کی نسبت ان کی پالیسیاں غیر معمولی تھیں جو ان کی کامیابی کی ذامن تھیں اور اپنی پالیسیوں کی بدولت وہ اپنی منزل یا مقصد حاصل کرتے رہے۔

ایسی کیوں کر صورت حال پیدا ہوئی کہ برطانیہ کو ہزاروں کلومیٹر دور اپنی کالونیاں قائم کرنی پڑیں اور مختصر مدت کے لیے نہیں بلکہ طویل مدت تک ان پر تسلط قائم کیے رکھا۔ ایک سوال بار بار ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری صورت حال کیوں کر پیدا ہوئی۔ اپنے عروج کے وقت ایسا بھی نہیں کہ بر صغیر اور دیگر برطانوی کالونیاں کوئی غریب خطے تھے۔ اگر یہ تسلط قائم نہ ہوتا تو آج بر صغیر کی صورت حال کیا ہوتی۔ اس عہد میں برطانیہ کو مرکزی اہمیت حاصل ہے اور دنیا بھر کی پالیسیاں اور دنیا بھر کی دولت کا مرکز لندن ہے اور دنیا میں تمام ممالک کا صرف ایک دارالحکومت ہے۔ وہ لندن" ہے۔ دنیا کی تمام دولت اسی ایک شہر کی طرف کھینچی چلی آرہی ہے اور یہی خون نکالنے والی بوتل نو آبادی کو لگی ہوئی ہے اور سار اخون آہستہ آہستہ نکل کر برطانیہ کے جسم میں منتقل ہو رہا ہے۔ برطانیہ موٹا ہوتا جارہا ہے اور اس کی کالونیاں صرف ہڈیوں کا ڈھنچا رہ گئی ہیں۔ ان کی چھڑی تک خشک ہو چکی ہے۔ قدرتی وسائل سے بھر پور خطہ (بر صغیر) کے لوگ بھوک سے مر

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

رہے ہیں۔زرعی لحاظ سے اعلیٰ قسم کی زمین ہونے اور اعلیٰ قسم کی فصل کے باوجود دلوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا میسر نہیں۔ملک میں ہر طرف ہو کا عالم ہے اور لوگوں کا معیار زندگی مسلسل نیچے کی طرف جارہا ہے۔"لندن کی ایک رات" بھی اسی دور کے رجحانات و موضوعات کا ایک اہم نما ئندہ ہے۔

لندن کی ایک رات" ناولٹ میں لندن کی ہی رات کیوں؟ کسی دوسرے شہر مثلاً، ممبئی، کلکتہ کی رات کیوں نہیں۔اس ناولٹ کی کہانی کا دائرہ کار خاصا مختصر (بہ لحاظ وقت) ہے۔اور اس وجہ سے اپنی سر زمین سے کسی شہر کا انتخاب مناسب رہتا مگر نہیں۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ وہ وقت ہے جس میں برٹش امپائر کو دنیا میں مرکزیت حاصل ہے۔اور لندن پوری دنیا اور خاص کر اپنی نو آبادیوں کا مرکز ہے۔پوری دنیا کی دولت کا رخ لندن کی طرف ہے۔نو آبادیاں تنزلی میں ڈوبتی جا رہی ہیں۔لندن ترقی کی منزلیں بڑی تیزی سے طے کرتا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔

"میاں تم ہمارے یہاں رہنے لندن ضرور آؤ۔کیا بانکا شہر ہے۔تھیٹر ، فلمیں، نادر کتب خانے، پکچر گیلریاں ایسی جن کا جواب نہیں۔"(۱)

خود سجاد ظہیر بھی اپنی تعلیم کے لیے لندن کا ہی انتخاب کرتے ہیں۔بر صغیر کے اور دیگر خطوں میں جہاں برطانیہ کا تسلط تھا۔وہاں کے لوگون کا لندن میں تعلیم حاصل کرنا اور وہاں جانا بھی ایک خواب ہو تا تھا۔اور لندن دیکھنا بالا طبقہ کے لیے بھی ایک سعادت کی بات ہوتی تھی۔ کیوں کہ کہاں نو آبادیوں کی پستی اور کہاں لندن کا عروج۔

" لندن کی ایک رات کے تمام واقعات کا تعلق لندن شہر سے ہے۔کچھ نوجوان ایک رات کی پارٹی میں شامل ہیں۔اور موسم خراب ہونے کے باوجود اس ناولٹ کی کہانی کامیابی سے آگے بڑھتی ہیاس کیفیت (دھند ، کہر ، اندھیرے) کے باوجو د لندن کی چہل پہل میں کوئی کمی نہیں آئی۔"(۲)

نو آباد کار (برطانیہ) کی پوری کوشش رہی، اور وہ اس کوشش میں بہت حد تک کامیاب بھی ہوا کہ دنیا بھر کے موسم خاص کر خراب موسم کا اثر لندن پر نہ پڑے یعنی دنیا کے برے اثرات سے برطانیہ کو دور رکھا جائے کیوں کہ ایک طرف لندن کی آمدن متاثر ہو گی تو دوسری طرف نو آبادیاں ہاتھ سے نکل جائیں گی۔لندن کی ایک رات" ناولٹ کے پہلے صفحے سے ہی ایک کشمکش کی کیفیت یا صورت حال پید ا ہو جاتی ہے روشنی اور اندھیرے کے درمیان۔لندن کے موسمی تناظر میں ناولٹ کا ایک جملہ دیکھیں۔

"اندھیرے اور روشنی میں معلوم ہوتا ہے لڑائی ہو رہی ہے۔"(۳)

کبھی سورج کی کرنیں نکل آتی ہیں اور کبھی بادل ان کو دبا لیتے ہی۔رات میں چاند ، بادل، کہر ، دھند، کی پوری کوشش کے باوجود کبھی کبھی کر نہیں دیکھا رہا ہے۔لندن کی اس موسمی کیفیت کو اس درد کے تناظر میں دیکھیں تو نو آبادیوں میں شعور ایک رو پید اہو چکی ہے اور انہیں غلامی کا احساس ہو چکا ہے اور وہ کوشش بھی کر رہے ہیں کہ اس غلامی کے طوق سے نجات حاصل کی جائے۔نو آباد کار پوری حکمت عملی اس کوشش کو دبانے کی سوچ رہا ہے مگر جنگ عظیم دوم کے پیدا کردہ حالات و واقعات اور دنیا کی بدلتی صورت حال میں وہ اب گرفت کی پوزیشن پہلے والی نہیں رہی۔حالات اب بدل چکے ہیں۔نو آبادی (برصغیر) میں بھی احساس غلامی جاگ اٹھا ہے۔اور وہ اب مزید غلامی کی زندگی نہیں بسر کرنا چاہتے۔

کہرا چند منٹ کے لیے کم ہو گیا تھا جس کی وجہ سے بجلی کی روشنیاں چمک اٹھی صدی کی ابتدا سے ہی دنیا کی صورت حال تبدیل ہونا شروع ہو گئی تھی اور پہلے جو ایک لا علمی کا اندھیرا تھا اب ختم ہونا شروع ہو گیا تھا اور روشنی (امید) کی کرنیں نظر آنا شروع ہو گئیں تھیں۔لیکن اس ابتدائی دور میں اندھیرا اکثر اوقات غالب آ جاتا ہے اور روشنی کی کمزور کرنوں کو دبانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔مگر ناکامی کے باوجو د کرنیں دب نہیں جاتیں بلکہ وہ مسلسل کوشش کر رہی ہیں اگر چہ ناکام ہی ہو رہی ہیں۔آگے چل کر وہ کامیاب بھی ہوتی ہیں۔یہ ایسا دور ہے جس میں دنیا بھر میں پھیلی نو آبادیوں کے فیصلے لندن میں ہوتے ہیں۔بالفاظ دیگر ان کی تقدیر کے فیصلے یہاں (لندن) سے صادر ہوتے ہیں۔

"لندن گویا شطرنج کی بساط ہے۔جس پر دیسی میرے اپنی اپنی چال چل رہے ہیں۔"(۴)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

میرے خیال میں شطرنج کی بازی یا بساط کی حد تک تو بات ٹھیک ہے مگر دیسی مہرے چال چل نہیں رہے بلکہ وہ محض کٹھ پتلی کے طور پر سامنے ہیں۔اور ان مہروں سے نو آباد کار نے ایسی حکمت عملی تیار کی ہے کہ ان چند مہروں سے کروڑوں لوگوں کو یر غمال بنایا جا سکے۔اور یہ مہرے، راجے ، نواب، جاگیر دار ، گھوڑی پال اور دیگر عہدے دار ہیں۔ان کے ذریعے نو آباد کار کو آسانی ہو گئی ہے کہ وہ نو آبادی کا اچھی طرح سے خون نچوڑ سکے اور یہ مہرے انہی کے اشاروں پر ناچتے ہیں اور کام کرتے ہیں مگر روشنی کی مدھم ، کمزور کرنیں ہی سہی وہ پھر بھی تاریکی کو چیلنج کر رہی ہیں اور بار بار سر اٹھانے کی کوشش میں ہیں۔اور جلد یہ پو پھوٹنے کی کیفیت مکمل روشنی میں بدل جائے گی۔شیلا گرین اور عارف کے درمیان ہونے والی بات چیت میں بھی شیلا گرین کنائے میں بہت اہم بات کر جاتی ہے۔ظاہری طور پر وہ موسم سے مخاطب ہے اور خاص کر انگریزی موسم سے۔مگر در پردہ ایک اور کہانی ہے۔جو اصل اہمیت کی حامل ہے۔

"لیکن آپ لوگ (بر صغیر کے) جو مشرقی دھوپ کے عادی ہیں۔ضرور ہمارے تاریک انگریزی موسم کو گالیاں دیتے ہوں گے۔"(۵)

واقعی یہ بات شیلا گرین کی درست ہے کہ آزاد مشرقی اقوام کے لیے تو انگریز قوم ایک تاریک موسم بن کر نازل ہوئی ہے۔روشن اور اچھے خاصے ترقی کرتے معاشرہ اور اقوام کو تاریکی کی دلدل میں دھکیل دیا اور جس میں آج تک الجھے ہوئے ہیں۔نو آباد کار روشنی کی منزلیں طے کر رہا ہے اور روشنی کے ماخذ چاند تک جا پہنچے مگر یہ (نو آبادی، بر صغیر) آج بھی انہی تاریک راہوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں اور کوئی واضح راستہ انہیں دیکھائی نہیں دے رہا جس کو منتخب کر کے اپنی مرضی کے مطابق اس پر سفر کرتے ہوئے ترقی کی منزلیں کا راستہ دیکھ
۶۲پائیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ روشنی کی چمک بڑھ رہی ہے اور اب اندھیرے کو دھکیل کر زیادہ
وقت کے لیے جگہ بنا رہی ہے۔یہ غلامی اور آزادی کی کشمکش جاری ہے۔

یہ وہ عہد ہے جس میں غلام اقوام میں احساس غلامی پیدا ہوا ہے اور وہ جانتے ہیں کہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ غلام ہیں۔قدرت کے عطا کردہ وسائل ان سے کوئی اور چھین کر استفادہ کر رہا ہے۔مگر ابھی نو آبادی اس پوزیشن پر نہیں آتی کہ وہ مکمل طور پر روشنی پھیلا سکے بس کبھی ناکامی اور کبھی کامیابی کی صورت حال پیدا ہوئی ہے اور ابھی پیڑا ناکامی کی طرف زیادہ جھکا ہوا ہے، لیکن یہ کیفیت یا ڈراما زیادہ دیر نہیں چلنے والا۔اور جلد یا با دیر سورج کے سامنے موجود ٹکڑا ختم ہو جائے گا۔

لیکن یہ بادل کا ٹکڑا سورج کی کرنوں اور روشنی کو کتنی دیر روک کے رکھ سکتا ہے سب جانتے ہیں کہ بادل اور سورج کا یہ کھیل عارضی ہوتا ہے اور کچھ ہی وقت میں یہ ختم ہو جانے والا ہے۔مگر بادل یا اندھیرا اپنی پوری کوشش اور طاقت لگائے ہوئے ہے کہ جتنے وقت کے لیے ہی ممکن ہو ، بلکہ زیادہ سے زیادہ وقت کے لیے روشنی اور کرنوں کو روکے رکھے۔مگر آگے چل کر ایک وقت بادل، اندھیرے کی شکست کا آنے والا ہے جب روشنی کا مکمل غالبا ہو جائے گا۔ایک طرف چاند، سورج اور بجلی کی روشنی ہے جو بار بار چمکنے (جگہ بنانے) کی کوشش کر رہی ہے اور دنیا کو اپنی روشنی سے منور کرنا چاہتی ہے مگر دوسری طرف اسے روکنے والی چیزیں، دھند، کہرا، بادل ہیں مگر یہ کوئی مستقل چیزیں نہیں جو روشنی کو زیادہ وقت کے لیے روک سکیں۔اسی روشنی کو اخبارات بھی اپنے طور طریقوں سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

"اخبارات زمین سے پھوٹنے والی روشنی کی کرنوں کو دبانے کی پوری پوری کوشش کرتے رہے ہیں۔اور اگر کوئی نکلے لگتی ہے تو اسے مظہر صحت قرار دیا جاتا ہے اور اسے غلط رنگ دے کر دفنانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔یہ انگریز مزدور غالباً اتنے احمق نہیں جتنا انگلستان کے اخبار۔ڈیلی میل وغیرہ۔"(۶)

دنیا بھر کے مزدوروں کے مسائل ایک جیسے ہیں اور یہ نہیں کہ برطانیہ میں مزدوروں کا حال بہتر تھا وہاں بھی مزدوروں کا حال ابتر رہا ہے۔جب کہ ان کے حقوق کی آواز کو اخبارات غلط رنگ دیتے رہے ہیں، کہ یہ ماسکو کا کیا دھرا ہے۔یہ اشتراکیوں کے ایمان پر ایسا کرتے ہیں۔وغیرہ وغیرہ مگر اخبارات نے کبھی مزدوروں کی آواز
۶۳کو احباب اقتدار تک پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ٹام اور جسم کی بحث بھی اپنی اخبارات کے پیش کردہ ایجنڈے
پر ہے جس میں ٹام کہتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

"تم (جم) کہتے ہو کہ تم نے یہ سب باتیں اخبارات میں پڑھی ہیں اس وجہ سے تم میری بات کا یقین کرنے سے انکار کرتے ہو۔اچھا تم مجھے یہ بتاؤ کہ اخبار ہمارے اپنے بارے میں جو کچھ لکھتے ہیں وہ کچھ ہوتا ہے جب کبھی ہم مزدور اسٹر ائک کرنے پر مجبور ہوتے ہیں تو یہ اخبار ہمیشہ قصور ہمارا ہی بتاتے ہیں۔"(۷)

بر صغیر میں بھی یہی صورت حال رہی ہے اخبارات نے ہمیشہ نو آباد کار کا موقف بیان کیا ہے اور عوام کے اور مزدوروں کے احتجاج کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔عام عوام کو ہمیشہ گناہ گار ٹھہراتے ہوئے ان کی مذمت کی ہے۔پرنٹ میڈیا کے دور سے پراپیگنڈا نے جنم لیا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس کے رنگ بدلتے گئے اخبارات نے ہمیشہ سے نو آباد کار کا اور ان کے اہم مہرے جاگیر داروں، وڈیروں کا ساتھ دیا ہے اور وڈیروں، جاگیر داروں کے خلاف اٹھنے والی عام عوام اور غریب عوام کو ہی ہمیشہ مورد الزام ٹھہرایا جاتا رہا ہے اخبارات غریب مزدوروں اور نو آبادی کا ساتھ کیوں دیں۔ان بھو کے غریب، ایک وقت کے کھانے کو ترسے لوگوں سے ان کو کیا ملے گا کچھ بھی نہیں جب کہ اوپر والے طبقہ کی خوشامد کرنے اور ان کے من پسند بیانیے کا ورد کر کے تو انہیں اچھا خاصا مال مل جاتا ہے۔

" ٹائمز اخبار کے خیالات اس کے (عارف) کے دماغ میں اچھی طرح سے جم جائیں گے۔۔۔
اس اخبار (ٹائمز) کا نقطہ نظر انگلستان کے بڑے صاحبوں کا نقطہ نظر ہوتا ہے۔"(۸)

عارف نے کیوں کہ نو آباد کار کا دست راست بننا ہے۔اس لیے اُس کے لیے حکومت کے خیالات سے واقف رہنا انتہائی ضروری ہے۔اس طرح وہ حکومتی اعتماد حاصل کرنے میں بھی کامیاب ہو جائے گا اور ٹائمز اخبار جو کہ برطانیہ کا ایک اہم اخبار ہے۔اور ہمیشہ حکومت کا ہی ترجمان رہا ہے۔اس کے ذریعے سے عارف کو نو آباد کار کے ذہن تک رسائی آسانی سے ہو سکتی ہے۔

"عارف جو انگریز سامراج کا معاون بن کر ہندوستانیوں کا استحصال کرنا چاہتا ہے۔۔۔اشتراکیت سے اسے نفرت ہے اور سیاسیات سے بھی کوئی دل چسپی نہیں ہے کیوں کہ عارف سول سروس کا مجنوں ہے۔"(۹)

ظاہر ہے کہ امام کے پیچھے عارف وہی نماز پڑھے کا جو امام پڑھا رہا ہو گا۔یہی معاملہ ہے عارف امتحان پاس کرنے سے پہلے ہی ذہنی طور پر نو آباد کار کا غلام بن چکا ہے۔عموماً تسلط کی صورت میں مقامی آبادی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ایک گروہ وہ ہوتا ہے جو نو آباد کار کی تقلید کرتا ہے اور دوسر اجو ان سے نجات کا راہ اختیار کرتا ہے۔یہ دونوں گروہ آپس میں بھی ایک دوسرے کی مخالفت کرتے ہیں۔بر صغیر کی صورت حال کے تناظر میں ایک سوال سر اٹھاتا ہے کہ چند ہزار انگریز نے (نو آبادکار) کے لیے کروڑوں مقامی آبادی (نو آباد) کو کیسے حکمت عملی طریقہ سے زیر کیسے رکھا۔وہ کون سا طریقہ تھا جس کے اپنانے سے بر صغیر کی نو آبادی ایک طویل عرصہ کے لیے سر نہیں اٹھا سکی۔میرے خیال میں وہ طریقہ صرف اور صرف خوف، دہشت اور منافرت کا تھا۔یہی وہ طریقہ تھا جس سے نو آبادی کی جرات نہیں ہوئی کہ وہ اٹھنے کی ہمت کر سکیں۔انگریزوں نے کبھی بھی نرم دلی کا مظاہرہ نہیں کیا انہوں نے ہمیشہ گولی چلانے سے اجتناب نہیں کیا۔

لندن کی کی ایک رات میں مختلف ایسے واقعات کی نشان دہی کی گئی ہے جن سے یہی بات واضح ہو جاتی ہے کہ خوف اور دہشت تسلط قائم رکھنے کے لیے بے حد ضروری تھا۔اور اس منصوبہ بندی میں وہ بہت حد تک کامیاب رہے۔یہی راز تھا ان کے طویل کامیاب تسلط کا۔نو آباد کار کے مخصوص طریقوں میں سے یہ الگ اور اہم طریقہ رہا۔مختلف مواقعوں پر لوگوں کی بڑی تعداد جان سے ہاتھ دھو بیٹھی۔

"دس انگریز سپاہیوں نے دس ہزار ہندوستانی نیوز کو فساد کرنے سے روکا، ایک گور از خمی ہو ا۔اور ۱۵، نیٹوز کی جان گئی۔۔۔(۱۰)

انگریز (نو آباکار) اگر مقامی (نو آبادی) لوگوں کے پندرہ بیش بندے نہ مار تا تو وہ کیسے کنٹرول کرتا۔اگر وہ آج یہ اقدام نہ اٹھاتا تو کل دوبارہ احتجاج ہوتا اور پہلے سے بڑا ہوتا۔مگر نو آبادی اور نو آبادی کے طرف دار لوگوں کے لیے یہ ظلم ہی سہی لیکن انگریز کے لیے تو یہ معمولی واقع تھا۔اور اب دوبارہ اگر کوئی ایسا کرنے کا ارادہ کرے گا تو دس بار سوچے گا۔اور اپنے سے پہلوؤں کا انجام اس کے سامنے ہو گا۔کہ ان کے ساتھ کیا کیا گیا اور وہی عمل میرے ساتھ دوہرایا جائے گا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

نو آباد کار جب ہندوستان میں آئے تو انہوں نے ہر چیز کو اپنے حق میں اس طرح کرنا چاہا کہ انکا حکومتی دورانیہ بھی بڑھے اور انکی طاقت کو بھی دوام ہو اس مقصد کے لیے انہوں نے ادب پر بھی اثر کیا ہمارے بہت سارے لکھاری شعوری و غیر شعوری طور پر انکے مطیع ہو گئے اور ان کے کردار بھی جہاں مقامی ہوتے تھے جاہل اور لا علم ہوتے تھے لیکن جہاں گورا کردار ہو تا علم و دانش سے بھر پور گفتگو کرتا۔ سجاد ظہیر نے نو آباد کاروں سے ذہنی مرعوبیت کو ایک طرف رکھا اور حقائق کا غیر جسمبداری سے جائزہ لیا وہ چونکہ ترقی پسند تحریک سے بھی وابستہ تھے بلکہ اس کے بانیوں میں شمار ہوتے تھے تو انہوں نے جبر اور استحصال کے تمام طریقوں کو نہ صرف نشان زد کیا بلکہ ان کے خلاف بھی لکھا۔ اس ناول میں ایسا بہت کچھ دیکھنے کو ملے گا جو اس سے قبل اسی موضوع پہ لکھے گئے ناولوں میں موجود نہ تھا۔

اس ناولٹ میں سجاد ظہیر نے ہندوستانی نوجوانوں مقامی مزدوروں اور انگریز طالب علموں کے مختلف خیال گروپوں کی ذہنی کشمکش اور نظریاتی ٹکراؤ کو موضوع بنا کر انگلینڈ کی سیاسی فضا اور ہندوستان کی غلامی کے بارے میں وہاں پر رہنے والے ہندوستانی اور غیر ہندوستانی باشندوں کی فہم اور ذہنی الجھنوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے لئے مصنف نے ناولٹ میں تین مختلف النوع رشتوں کو اپنے مطالعے کا محور بنایا ہے۔ پہلا زمینی رشتہ یعنی وہ تعلق ہے جو تمام ہندوستانیوں کو ان کے نظریات مفروضات اور احساسات کے اختلاف کے باوجود ایک رشتہ میں باندھے ہوئے ہے۔ دوسرا نظریاتی رشتہ ہے۔ جو انگریز مزدوروں کو ہندوستان میں آزادی کے حصول کے لئے جدوجہد کرنے والے عوام سے ہمدردی کرنے پر اکساتا ہے جو یہ شعور عطا کرتا ہے کہ انگریز حکمران اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کرنے والے ان سفید فام، مزدوروں کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتے ہیں۔ جو وہ کالے ہندستانیوں کے ساتھ کرتے ہیں تیسرا رشتہ جذباتی ہے۔ جس کی بنا پر ہیرین، شیلا اور اعظم و جین ایک ڈوری میں بندھے ہوئے ہیں۔

یہ رشتے عام محبتوں کی طرح جنسی تعلقات شخصیات کی کشش رومان کی خواب ناکی فراق کے لمحات یادوں وعدوں اور انتظار سے پر ہیں۔ لیکن لندن کی ایک رات کا بنیادی موضوع محبت یا جنس نہیں ہے۔ بلکہ ناولٹ کے اہم کردار اعظم راؤ نعیم وغیرہ سب ہیولوں کی طرح رات کی تاریکی میں ایک دوسرے سے مخاطب رہتے ہیں۔ کبھی وہ ایک دوسرے سے اُلجھتے ہیں اور کبھی واپس اپنی ذات کے خول میں مراجعت کر جاتے ہیں۔ ان کی ایک مشترک خصوصیت ہے کہ وہ عمل سے زیادہ فکر پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنی مخصوص فکری ساخت کے باوجود ایک طرح کی ژولیدگی کا شکار ہیں۔ یہ اس داخلی جذباتی کشمکش کا نمونہ ہیں جو پہلی جنگ عظیم کے بعد متوسط طبقے کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے ذہنوں میں جاگزیں تھی۔ وہ زندگی گزار رہے ہیں لیکن ان کے یہاں کوئی قدر پائیدار نہیں کوئی رشتہ مستقل نہیں نہ ان کی محبت شدید ہے نہ ان کی نفرت انہیں عمل پیرا کر پاتی ہے۔ وہ سب اپنے ملک کی غلامی ہم وطنوں کے استحصال اور سفید فاموں کے ہندوستانیوں کے تئیں حقارت آمیز رویے سے متنفر ہیں۔ اس ناول کے سیاسی و سماجی پس منظر کی نئی جہت کے حوالے سے بات کرتے ہوئے ڈاکٹر خالد اشرف لکھتے ہیں:

> ”اس ناولٹ نے لفظوں کو نئے سیاسی و سماجی سیاق و سباق میں برت کر اردو ناول کو نیا انداز بیان دیا جو آگے چل کر ترقی پسندوں کے یہاں سماجی و تہذیبی مسائل کے اظہار کے وسیلہ کے طور پر کام آیا۔ تخیلاتی پیکر تراشی کے ذریعے انسانی ذہن اور جذبات و احساسات کی عکاسی اس ناولٹ نے شعری زبان اور پیکروں کو فکشن کا حصہ بنایا جو ایک نئی روایت کی ابتدا تھی۔“(۱۱)

ناول نے اردو دنیا کو ایک نئے رجحان، نئے نظریے، نئی فکر، نئے اسلوب نئی تکنیک اور نئے انقلاب سے روشناس کیا۔ اس لیے اردو ادب میں سجاد ظہیر کو ایک نظریہ ساز اور رجحان ساز کی حیثیت حاصل ہے اور ان کا یہ ناول اسی نظریے اور رجحان کا ٹرینڈ سیٹر ہے۔ اس ناول کے موضوع اور مواد کے حوالے سے شہزاد منظر کا یہ تجزیہ بہت مناسب ہے۔

> ”لندن کی ایک رات“ جدید اردو ناول نگاری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اگر بہت ہی مختصر ناول ہے؛ لیکن موضوع اور فن کے اعتبار سے ایک مکمل اور شان دار تخلیق ہے۔ اس کے مطالعے سے اس صدی کی تیسری دہائی کے ہندوستانی نوجوانوں کے جذبات و احساسات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ جو بڑی بڑی سرکاری ملازمتوں کے حصول کی غرض سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی کے لئے لندن جاتے تھے جو

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

دوران تعلیم بے فکرے ماحول میں ہندوستان کی آزادی کے خواب دیکھا کرتے تھے اور جن کے دلوں میں وطن واپس لوٹ کر عوام کی خدمت کرنے کا جذبہ موجزن رہتا تھا۔ انھیں ملک اور عوام کی بے بسی کا شدید احساس تھا۔ ان کے دلوں میں کچھ کرنے کی خواہش مچلتی رہتی تھی۔ لندن کی ایک رات میں سجاد ظہیر نے ان تمام احساسات کی بڑی خوب صورتی سے عکاسی کی ہے۔ جو ان کے ہم عصر نوجوانوں نے لندن میں دوران تعلیم محسوس کئے تھے۔ اس ناول کے مطالعے سے سن 35ء میں ان کے گہرے سماجی اور سیاسی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس سے ان کے پہنی ارتقا کا بھی سراغ ملتا ہے۔"(۱۲)

اس ناول کے حوالے سے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہ نہ تو ایک موضوعی ناول ہے اور نہ ہی کثیر جہتی پر مبنی ہے۔ یہ ایک ایسی ذہنی اپج پر مبنی ہے جس میں نفسیاتی پیچیدگی، ذہنی کش مکش اور فکری الجھاؤ ہے۔ ان سب کو مصنف نے مختلف کرداروں کے عمل سے ظاہر کیا ہے۔ اس لئے اس ناول کا موضوع انسان کی ذہنی کیفیت اور اس کے فکر و خیال کو کہا جاسکتا ہے۔ کیوں کہ اس ناول کے کرداروں کا بظاہر ایک ہی مقصد ہے، اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا اور اپنے مستقبل کو بہتر بنانا؛ لیکن بین السطور میں ان کی شخصیات، مقاصد اور زندگی کے منصوبوں کا تنوع قابل داد ہے۔ اس ناول کے کرداروں کے شخصی اوصاف، اقدار، رویے، مزاج، ذہنی سطح اور رجحانات کی رنگا رنگی حیران کن ہے جو قاری کو اپنے ساتھ لے کر چلتی ہے۔ یہی اس کی سب بڑی کامیابی ہے۔ اس ناول کے موضوع کے حوالے سے خالد اشرف کی یہ رائے بھی دیکھتے چلیں، وہ لکھتے ہیں:

"اس ناولٹ میں سجاد ظہیر نے ہندوستانی نوجوانوں، مقامی مزدوروں، اور انگریز طالب علموں کے مختلف الخیال گروپوں کی ذہنی کش مکش اور نظریاتی ٹکراؤ کو موضوع بنا کر انگلینڈ کی سیاسی فضا اور ہندوستان کی غلامی کے بارے میں وہاں پر رہنے والے ہندوستانی اور غیر ہندوستانی باشندوں کی فہم اور دینی الجھنوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔(۱۳)

سجاد ظہیر نے اس تحریک کی اگوائی کر کے جس نظریے اور رجحان کی تشہیر کا بیڑا اٹھایا وہ اشتراکیت پسند اور ترقی پسند نظریہ تھا۔ اس نظریے اور رجحان کو فروغ دینے کے لیے باقاعدہ ایک ادبی تحریک چلائی جو ترقی پسند تحریک کہلائی۔ اس تحریک کے قیام اور اس کے توسل سے اشتراکی فکر اور ترقی پسند نظریہ ادب کی تشہیر بذات خود ایک اہم کارنامہ تھا۔ اس تحریک نے ادب کے دھارے کا رخ ایک ایسی سمت میں موڑا جس سمت لوگ نظر اٹھا کر دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ حقیقت سے کوسوں دور رومانی اور تخیلاتی فضا میں سانس لیتے تھے۔ اس تحریک نے انھیں ایسی دنیا سے نکال کر حقیقی اور زمینی دنیا سے روشناس کرایا اور ادب کو وسعت دینے کے ساتھ ایک نئی جہت بخشی۔ ساجدہ زیدی کے لفظوں میں ترقی پسندی کے تصور اور ترقی پسند مصنفین کی انجمن نے ادب کی صورتحال کو اتنا متاثر کیا کہ ادب کی تاریخ ہی بدل دی سجاد ظہیر کی قیادت میں یہ قافلہ تو اردو میں نکلا تھا مگر اس نے صرف اردو ادیبوں کی سائیکی پر ہی اپنی چھاپ نہیں چھوڑی بلکہ اردو کے علاوہ ہندی، بنگلہ، پنجابی، سندھی وغیرہ پر بھی گہری چھاپ چھوڑی اور وہ چھاپ آج تک قائم ہے۔

سجاد ظہیر ہندوستان میں ترقی پسند تحریک کے روح رواں سمجھے جاتے ہیں۔ وہ ترقی پسند تحریک کے بانیان میں سے ہونے کی وجہ سے استحصال کے خلاف لکھتے رہے۔ افسانوی مجموعہ "انگارے" میں موجود ان کے افسانے اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ان کے ناول اور افسانوں میں ترقی پسندانہ فکر کی جھلکیاں اور اشتراکیت پسندی کا رویہ نظر تو آتا ہے مگر اُنھوں نے اپنے فن کو اپنے نظریے پہ قربان نہیں کیا۔ اس کی مثال "انگارے" میں موجود ان کا افسانہ "دلاری" ہے جو کہ اُردو افسانے میں حقیقت نگاری کی روایت کی باقاعدہ ابتدا کرتا نظر آتا ہے اور جس میں ایک لڑکی دلاری کے جذباتی و سماجی استحصال کی کہانی بیان ہوئی ہے۔

روایتی ناول نگاروں کے ناولوں میں پیش کیے گئے کرداروں کے برعکس سجاد ظہیر کے اس ناول میں پیش کیے گئے اقلیتی کردار زیادہ ہوش مند اور باشعور ہیں۔ اگرچہ وہ بے بس ہیں اور لندن میں جب ان کو جبر ملتی ہے کہ انگریزوں نے ہندوستانی لوگوں پہ گولی چلائی ہے تو وہ کڑھتے تو بہت ہیں چوں کہ وہ لندن میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے گئے ہوتے ہیں، اس لیے کچھ کر نہیں سکتے؛ لیکن بہر حال گوروں کے استحصالی رویوں کا پورا پورا ادراک رکھتے ہیں۔

اعظم، راو اور احسان اس ناول کے مرکزی کردار ہیں۔ اعظم جب اخبار کے ذریعے اپنے ملک کے مزدوروں پہ چلنے والی گولی کے بارے پڑھتا ہے، تو اس کی کیفیت کچھ یوں ہوتی ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

"اخبار کی دُوکان کے سامنے بڑے بڑے اشتہار لگے ہوئے تھے۔ ٹائمز، ڈیلی میل، مارننگ پوسٹ، ڈیلی ٹیلیگراف وغیرہ۔ اس کی نظر شام کے اخباروں پر پڑی، جنھیں لوگ اسٹیشن کے باہر بیچ رہے تھے۔ "فٹ بال کے میچ کے نتیجے، "میچ کے آخری نتیجے" اخبار بیچنے والے پکار رہے تھے۔ اتنے میں اس کی نظر چند اور اشتہاروں پر پڑی جو تختوں پر چسپکے ہوئے تھے۔ "بیکار مزدوروں کا ہائڈ پارک میں جلسہ"، "دس انگریزی سپاہیوں نے دس ہزار ہندوستانی نیٹوز کو فساد کرنے سے روکا"، "ایک گورا زخمی ہوا اور 15 نیٹوز کی جان گئی"، "بڑے بڑے، کوئی ڈھائی فٹ لمبے اور ایک فٹ چوڑے کاغذوں پر یہ اشتہار سرخ حرفوں میں لکھے ہوئے تھے۔ اعظم کا خیال ایک لمحہ کے لیے اپنے دوست کے انتظار سے ہٹ کر ہندوستان، وطن کی طرف گیا۔ "وہ کم بخت انگریزی اخبار کتنی حقارت کے ساتھ ہم ہندوستانیوں کا ذکر کرتے ہیں۔ "نیٹوز" ہم "نیٹوز" ہیں۔ اور یہ لال مُنہے بندر۔ جو اس ملک میں رہتے ہیں، یہ کون ہیں؟ اور وہ بیچارے غریب جنھوں نے گوروں کی گولیاں کھائیں؟"(۱۴)

راو اور اعظم ایسے کردار ہیں جن کو ہندوستان کے لوگوں کا پورا احساس ہے۔ نیز وہ اس ذلت کے تیروں کو بھی اپنے دل میں پیوست ہوتا محسوس کرتے ہیں، جو ذلت انگریزوں کے ہاتھوں ہندوستانیوں کی ہوتی ہے۔ اس حوالے سے ایک اقتباس دیکھیے:

"تم نے آج شام کا اخبار دیکھا؟ ہندوستان میں پھر کہیں گولی چلی۔" اعظم نے کہا: نہیں میں نے اخبار تو نہیں دیکھا مگر اشتہار دیکھے ہیں۔ اب تو یہ روز کا دستور ہوتا جاتا ہے۔ ہم کالے آدمیوں کی جان کیڑوں مکوڑوں کے برابر ہے اور قصور ضرور ہمارا ہی ہو گا! ہم ہندوستانی اسی لائق ہیں، کمینے، ذلیل، بزدل، جوتا کھاتے ہیں مگر انگریزوں کی خوشامد سے باز نہیں آتے۔"(۱۵)

راو کو اپنے ہندوستانی بھائیوں کی جہالت اور بزدلی پہ بھی غصہ ہے اور انگریزوں کے استحصال کو بھی وہ غضب کی نظر سے دیکھتا ہے۔ راو بہت جذباتی کردار ہے، وہ عملی طور پہ کچھ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے نہ کہ صرف نعرے لگانے والوں اور خالی دعوے کرنے والوں کو۔

جب اعظم اس سے کہتا ہے کہ ملک کی بھلائی کرنی چاہیے تو وہ غصہ میں آکر کہتا ہے کہ بھلائی کا پیمانہ کیا ہے؟ یہاں ہر کوئی بھلائی کا دعوے دار ہے تم کس پہ یقین کرو گے:

"کسی کو یہ تک تو معلوم نہیں کہ وطن کی بھلائی ہے کس چڑیا کا نام اس کے لیے کوشاں ہونا تو درکنار! زنانہ بن کر چرخا کاتنے میں وطن کی بھلائی ہو؟ یا مہاتما گاندھی کی طرح سچ کی کھوج کرنے میں وطن کی بھلائی ہے؟ یا کونسل کی ممبری اور منسٹری میں وطن کی بھلائی ہے؟ یا سوشل ریفارم اور اچھوت کانفرنس میں حصہ لینے میں وطن کی بھلائی ہے؟ سرکاری ملازمت میں وطن کی بھلائی ہے یا ہندو مہاسبھا اور مسلم لیگ میں وطن کی بھلائی ہے؟ ہر شخص کے پاس وطن کی بھلائی کا ایک نسخہ ہے۔ ہر شخص معلوم ہوتا ہے وطن کی بھلائی کے لیے کوشاں ہے۔ ہر شخص پکار پکار کر کہتا ہے کہ وطن کی بھلائی کے لیے کام کر رہا ہے۔ حد ہو گئی، ان کی دیکھا دیکھی انگریزی گورنمنٹ تک کہنے لگی کہ وہ بھی ہندوستان کی بھلائی چاہتی ہے! اور ملک کی حالت کیا ہے؟ ایک طرف تو غربت اور بھوک کا سایہ ملک پر پھیلتا جا رہا ہے۔ دوسری طرف ظلم و جبر کا جال چاروں طرف سے ہم کو جکڑتا جا رہا ہے۔ کیا اچھے ہماری بھلائی کرنے والے ہیں۔ میں باز آیا ایسی بھلائی کرنے سے۔ کم از کم میں کسی کو دھوکا تو نہیں دیتا۔"(۱۶)

جب اعظم اور راو بار میں جاتے ہیں تو ایک انگریز مزدور ان کو ہندوستانی سمجھ کر ان سے خبر کی تصدیق کرانا چاہتا ہے کہ کیا واقعی ہندوستان میں مقامی لوگوں پہ گولیاں چلی ہیں تو راو کا ردعمل کچھ یوں ہوتا ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

"اور راؤ نے خیال کیا "یہ شخص کیوں ہم سے باتیں کرنا چاہتا ہے؟ ہندوستان سے اسے کیا دل چسپی ہو سکتی ہے؟ ہمیں غلام سمجھ کر دل میں ضرور ہم سے نفرت کرتا ہو گا اس کی اپنی حالت خراب سہی؛ لیکن اکثر انگریزوں کی طرح ہندوستان کو ہمارے ملک کو، اپنی ذاتی ملک سمجھتا ہو گا۔ ہندوستان میں گولی چلی اس کے بھائی بندوں نے ہمارے بھائی بندوں پر گولی چلائی۔ یہ دنیا بھر میں گولیاں چلا کر اور آسماں سے بم برسا کر تہذیب پھیلانا اور صلح اور امن قایم رکھنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اور یہ شخص مجھ سے باتیں کرنا چاہتا ہے۔ مجھ سے کیا باتیں کرنا چاہتا ہے؟" اس نے انگریز کو جواب دیا: "ہاں ہندوستان سے بری خبر آئی ہے؛ لیکن مجھے کچھ پرواہ نہیں جتنی زیادہ ہندوستان میں گڑبڑ ہو مجھے تو اتنی ہی زیادہ خوشی ہوتی ہے۔" غصہ اور طنز سے بھرا ہوا کلمہ؛ لیکن اس ٹھوس انگریز مزدور پر راؤ کے غصہ اور طنز کا کچھ زیادہ اثر نہیں ہوا۔"(۱۷)

ان دونوں کرداروں سے لندن کے بار میں ایک مرتبہ تضحیک آمیز سلوک بھی کیا جاتا ہے جس کو یہ محسوس بھی کرتے ہیں۔ ان کو کالے لوگ کہہ کر پکارا جاتا ہے اور مذاق کا نشانہ بنایا جاتا ہے جس سے یہ محسوس کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کی تخلیق سے پہلے یہاں کے لوگوں کے ساتھ وہاں کیسا رویہ روا رکھا جاتا تھا:

"ہلو، بلیکی" اس نے اعظم اور راؤ کو پکار کر کہا۔ اعظم اور راؤ بکیار گی اس طرف مڑے۔ ننگے سر، ایک دبلا پتلا آدمی پھٹے حالوں، لال ٹماٹر کا سا چہرہ بنچ پر بیٹھا ہوا بد مستی کی ہنسی ہنس رہا تھا۔ راؤ اور اعظم جن پر خود شراب ہی میں لکھی ہے۔ دنیا کے جس حصہ میں بھی وہ جائیں غلامی کا ٹیکہ ہرگز ان کے ماتھے سے نہیں چھوٹ نہیں سکتا۔ راؤ اور اعظم دونوں نے یہی محسوس کیا۔"(۱۸)

یوں مجموعی طور پہ ہم دیکھتے ہیں کہ متحدہ ہندوستان کے عہد میں لکھا گیا یہ ناول اور اس ناول کے اقلیتی کردار روایتی ناول نگاروں کے اقلیتی کرداروں سے بہت مختلف ہیں اور ان کے شعوری و فکری زاویے روایتی ناول نگاروں کے کرداروں کے فکری و شعوری زاویوں سے بہت حد تک مختلف ہیں۔

بنیادی طور پہ تو یہ ناول ہ دوستانہ طالب علموں کے روزمرہ معمولات اور ان کی جنسی و جذباتی اور رومانی زندگی کے نادر و نایاب گوشوں کو پیش کرتا ہے۔ اعظم اور جین کی محبت کا ناول میں حوالہ اس کا بڑا ثبوت ہے۔ اسی طرح شہلا گرین اور ہیرن راو کی محبت بعض ہندوستانی لڑکیاں بھی جب وہاں پڑھائی کے لیے جاتی ہیں، تو اپنے ہندوستان کی تہذیب اور لندن کی تہذیب کے فرق کو دیکھ کر حیران رہ جاتی ہیں اور اپنے نوجوانوں پہ بعض اوقات تو غصہ بھی کرتی ہیں اور لندن والی گوریوں کی بے پردگی کو بھی صلواتیں سناتی ہیں۔ اس کی مثال کریمہ کا کردار ہے۔ اس ناولٹ کے وہ مرکزی کردار جو ہندوستان سے لندن تعلیم حاصل کرنے کی خاطر گئے ہوتے ہیں بہت زیادہ سیاسی شعور کے مالک ہوتے ہیں وہ ہندوستان میں ہونے والے ظلم و ستم سے پوری طرح آگاہ ہوتے ہیں انکا دل روزمرہ کے ظلم و جبر والے واقعات پہ کڑھتا ہے. یوں اس ناول میں ہم دیکھتے ہیں کہ سجاد ظہیر نے پہلے سے چلے ارہے نو آبادیاتی ادب کو یکسر رد کر دیا ہے جس میں ان گوروں کی وکالت کی جاتی تھی یا انکو مقامی لوگوں کے ساتھ ایسا کرنے میں حق بجانب ٹھہرایا جاتا تھا

حوالہ جات

۱۔ برصغیر میں اردو ناول، از محمد خان اشرف، کتابی دنیا دہلی ۲۰۰۳، ص ۲۵

۲۔ سیمانت پرکاش / کے کے کھلر، سجاد ظہیر ایک ادیب ایک نقاد، گفت گو ممبئی، بحوالہ: اُردو ناول کا نگار خانہ، نئی دہلی، ۱۹۸۳ء، ص

۳۔ خالد اشرف، برصغیر میں اُردو ناول، خالد اشرف، کتابی دنیا، دہلی، ۲۰۰۳ء، ص ۲۴

۴۔ ظہیر، سجاد، لندن کی ایک رات، لکھنو آرٹ پریس، لکھنو، ۱۹۳۸ء، ص ۷

۵۔ ایضاً، ص ۱۱

۶۔ ایضاً، ص ۱۳

۷۔ ایضاً، ص ۲۳، ۲۲

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

۸۔ایضاً،ص۲۸

۹۔سجاد ظہیر ، مضامین ظہیر ، اتریر دیش اور اکاڈمی، لکھنو، ۱۹۷۹ء ص ۲۲

۱۰۔سجاد ظہیر ، لندن کی ایک رات، نیا ادارہ لاہور ، ۱۹۷۴، ص ۱

۱۱۔ایضاً، ص ۱

۱۲۔ایضاً، ص ۹

۱۳۔آصف فرخی، لندن کی ایک رات مضمون، سجاد ظہیر ادبی خدمات اور ترقی پسند تحریک، گوپی چند نارنگ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ، ۲۰۰۸ء ص ۶۸

۱۴۔سجاد ظہیر ، لندن کی ایک رات، نیا ادارہ ، لاہور ، ۱۹۷۴، ص ۴۶

۱۵۔ایضاً، ص ۲۱

۱۶۔ایضاً، ص ۲۳

۱۷۔ایضاً، ص ۷۴، ۷۳

۱۸۔ریاض ہمدانی، ڈاکٹر، اردو ناول کا نو آبادیاتی مطالعہ ، فکشن ہاؤس، لاہور ، ۲۰۰۸، ص۲۵۷